

ہندوستان کی شرعی حیثیت

(از) — سعید احمد اکبر آبادی

———— (۲) ————

اس کے برخلاف مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جو باعتبارِ تفقہ اپنے تمام معاصرین میں اختیارِ خاص رکھتے تھے۔ ان کو دیکھیے۔ آپ نے امداد الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر ہندوستان میں سہولت لینے کے مسئلہ پر گفتگو کی ہے لیکن ہندوستان کو کہیں دارالحرب نہیں لکھا۔ بلکہ آپ کا یہ ارشاد عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ریل کا ٹکٹ نہیں خرید سکا اور اسی حالت میں اُس نے سفر بخیر و خوبی طے کر لیا تو اب اُسے چاہیے کہ اتنی ہی مسافت اور اسی درجہ کا ایک ٹکٹ خرید کر چاک کر دے۔ تاکہ گورنمنٹ کا نقصان نہ ہو۔

برہین تفاوت رہ از کجاست تا کجا

ہم نے یہاں تک صرف اکابرِ علمائے احناف کے ارشادات و بیانات پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کے علما بھی بڑی اہمیت کے مالک رہے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان علما کے اعلام کی آراء اس لئے اور بھی لائقِ توجہ ہیں کہ اس جماعت نے ہی سب سے زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ حضرت سید احمد شہید کے زیرِ قیادت انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے میں حصہ لیا تھا اور اسی بنا پر انگریز انھیں بدنام کرنے کی غرض سے دہلی کہتے تھے۔ بہر حال اس جماعت کے علما میں مولانا ابوسعید محمد حسین لاہوری (جو عام طور پر بٹالوی بھی مشہور ہیں) بلند پایہ عالم اور صاحبِ تصنیف و قلم ہزرگ تھے۔ لاہور سے اشاعت السنۃ نامی ایک دینی پرچہ شائع ہوتا تھا۔

مولانا اُس کے اڈیٹر اور زمانہ کے اعتبار سے مسیحیہ احمد خان - مولانا گنگوہی اور مولانا نازوقی کے ہم عصر تھے۔ موصوف نے ۱۸۷۷ء میں ایک رسالہ ”الاقتصاد فی مسائل الجہاد“ کے نام سے لکھا تھا جو انھیں نون میں وکٹوریہ پریس میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔ اس رسالہ میں مولانا نے بڑی قوت اور زور سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان ہرگز دارالحرب نہیں ہے اور اس بنا پر انگریزوں کے خلاف جہاد جائز نہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

”جو مخالفین اسلام کسی کے مذہب سے تعرض کرنا جائز نہ سمجھیں اور اس امر کو خواہ بمقتضائے مذہبیت خواہ بہ ہدایت مذہب خواہ بحکم عقل و اصول سلطنت بہت بُرا سمجھیں۔ جیسا کہ برٹش گورنمنٹ کا حال و حال ہے۔ ان سے مذہبی جہاد کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔“

یہ تو ہوئی جہاد کی بات! اب ملک کی شرعی حیثیت کے بارہ میں مٹینے۔ فرماتے ہیں:

”جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو۔ اقوام غیرے اس پر تغلب سے تسلط پالیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اُس میں ادلے شعائر اسلام کی آزادی رہے وہ بحکم حالت قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔ اور اگر وہ قدیم سے اقوام غیر کے قبضہ و تسلط میں ہو۔ مسلمانوں کو انہی لوگوں کی طرف سے ادائے شعائر مذہبی کی آزادی ملی ہو تو وہ بھی دارالاسلام اور کم سے کم دارالاسلم والا مان کے نام سے موسوم ہونے کا مستحق ہے۔“

یہ واضح رہنا چاہئے کہ مولانا محکمین صاحب نے جو کچھ اس رسالہ میں لکھا ہے وہ اس میں منفرد نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ رسالہ کے شروع میں (صفحہ ۳ و ۴) خود انھوں نے لکھا ہے یہ رسالہ انھوں نے ۱۸۷۷ء میں لکھا تھا۔ لیکن اُس کو شائع کرنے سے قبل انھوں نے علمائے اسلام کی رائیں لینے کی غرض سے لاہور سے عظیم آباد پٹریمک کا سفر کیا اور اس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”اور اکابر علمائے مختلف فرقہائے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سن کر ان کا توافقی رائے

حاصل کیا اور بعض بلاد ہندوستان و پنجاب میں جہاں راقم خود نہیں جاسکا۔ اس رسالہ

لئے الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۱۹۔ ۲۰ ایضاً ص ۱۹۔

کی متعدد کامیابیاں سمجھو اگر ان بلاد کے اکابر علما کا اتفاق رائے حاصل کیا ۔
 مولوی نذیر احمد صاحب دہلی | مولوی نذیر احمد صاحب دہلی کس پایہ کے عالم تھے ؟ اُن کی تصنیفات اور
 ترجمہ قرآن سے ظاہر ہے ، اُن کے نزدیک بھی ہندوستان دارالحرب نہیں تھا بلکہ اگر کسی وقت انگریزوں نے
 مسلمانوں کے سفر حج پر کوئی پابندی مذہبی تعصب کے بغیر کسی عام مصلحت سے لگائی تھی تو وہ ہرگز مداخلت
 فی الدین نہیں تھی ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

”دارالحرب سے مراد وہ ملک ہے جس میں کافروں کی عملداری ہو اور وہاں کا حاکم مذہبی ضد
 سے مسلمانوں کو فرائض اسلامی نماز روزہ حج زکوٰۃ کے بجالانے سے روکے اور منع کرے ۔
 ایسے ملک میں مسلمانوں کو رہنا درست نہیں خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان
 باوجود کینصاری کی عملداری ہے دارالحرب نہیں ہے اس لئے کہ یہاں بجا آوری فرائض میں
 کسی طرح کی روک ٹوک نہیں ۔ اور جو طاعون کی وجہ سے حاجیوں کو سفر حجاز سے روکا جاتا ہے
 تو یہ روکنا حکماً نہیں بلکہ عارضی اور صلاح دشمنہ کے طور پر ہے ۔ اور اس سے زیادہ
 روک ٹوک تو مسرور و روم میں جاری ہے جہاں اسلامی حکومت ہے ۔ کہ مرض طاعون متعدی
 ہے ایک سے اڑکھ دوسرے کو لگ جاتا ہے ۔ موسم حج میں لوگوں کا بہت سا ازدحام ہوگا
 تو خوف ہے کہ کہیں مری نہ پھیل جائے ۔ پس اگر اس کو روک نہ جائے تو اس لئے
 ہے کہ لوگ فریضہ حج نہ ادا کریں ۔ بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے ہے کہ حاجیوں کی جانیں
 ضائع نہ ہوں ۔“

آزاد ہندوستان اور اُس کا حکم

یہاں تک انگریزوں کے زمانہ کے ہندوستان کا تذکرہ تھا ۔ اب ہمیں موجودہ آزاد ہندوستان
 کی شرعی حیثیت پر بحث کرنی چاہیے ۔ کیوں کہ مولانا سید مت اللہ صاحب مونگیری نے خود اس باب میں
 اپنی مائے کا اظہار کر دیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں : ” حضرت شاہ صاحب (مولانا کشمیری) نے اپنی اس تحریر میں
 لے ترجمہ قرآن حاشیہ سورۃ نساء رکوع ۱۴ -

سب سے پہلے کسی ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کی اصل بنیاد بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:-
 "باید دانست کہ مار بودن بلدہ و لگے دارالاسلام یا دارالحرب بر غلبہ مسلمانان و کفارت دہیں"
 پھر اس اصول کو دلائل و شواہد اور حوالوں سے مستند و موثق فرمایا ہے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-
 "این اصل را خوب ذہن نشین باید کرد۔ کہ جملہ مسائل از ہمیں اصل برمی آیند و ہمہ جزئیات این باب و اثر بر ہمیں اصل ہستند" اس کے بعد اسی اصل پر تفریعات ہیں اور مختلف جزئیات و مسائل بیان فرمائے ہیں اور بعض شبہات کا ازالہ کیا ہے اور آخر میں ہندوستان کی صورت حال بتلا کر اس ملک کے دارالحرب ہونے کا حکم ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:- بہر حال تسلط کفار بر ہند بدان درجہ است کہ در پیچ وقت کفار را بر دارالحرب زیادہ نبود۔ وادائے مراسم اسلام از مسلمانان محض با جازت ایشان است و از مسلمانان عاجز ترین رعایا کے نیست" یہ سب کچھ لکھنے لکھانے کے بعد مولانا منت اللہ صاحب قول کے مقطع میں فرماتے ہیں:-

"ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی یہ تحریر تقریباً چالیس برس پہلے کی ہے جبکہ انگریزوں کا دور حکومت تھا۔ اس تحریر میں دارالحرب کے لئے جو اصل دہنیا بتلائی گئی ہے اسے سامنے رکھ کر موجودہ ہندوستان کے متعلق بھی آسانی سے فیصلہ کن رائے قائم کی جاسکتی ہے" (ص)
 وہ فیصلہ کن رائے کیا ہے؟ مولانا نے اگرچہ اس کو گول بول رکھا ہے لیکن اس طرح کہ
 غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے (غالب)
 اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مولانا کے نزدیک موجودہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ پھر امیر شریعت بہار اس میں منفرد نہیں ہیں بلکہ سابق ناظم جمعیتہ علمائے ہند مولانا محمد میاں کی رائے بھی یہی ہے۔ چنانچہ ایک تحریر جو بصورت افتاء ہے اس میں فرماتے ہیں:-

"یہ ملک (جنوبی افریقہ) یقیناً دارالحرب ہے۔ کیونکہ مسلمان دوسرے اقتدار کے ماتحت ہیں، خود ان کی حکومت نہیں ہے۔ نہ ان کا کوئی ایسا با اختیار شرعی نظام یا کوئی ایسا نواب یا امیر شریعت ہے جس کو حکومت نے مسلمانوں کے معاملات کا اختیار دے رکھا ہو۔"

ایسا ملک اصطلاح شریعت میں دارالحرب کہلاتا ہے، اس کے بعد بعض کتب فقہ سے دو ایک عبارتیں نقل کی ہیں، اور پھر لکھتے ہیں:

”اگر آپ دارالترجمہ اسٹیٹ (ریاست) کر لیں تو دارالاسلام اور دارالحرب کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔ غیر مسلم اسٹیٹ کو دارالحرب کہا جاتا ہے اگرچہ وہاں جنگ اور حرب نہ ہو بلکہ مسلمانوں سے صلح ہو یا امن و حفاظت کا کوئی معاہدہ ہو، یا اس اسٹیٹ کا قانون ایسا ہو کہ مسلمان اس قانون کے تحت محفوظ رہیں۔ اگر وہ مسلم اسٹیٹ نہیں ہے تو دارالاسلام نہیں ہے

بہر حال فقہ کی اصطلاح میں اس کو دارالحرب کہا جاتا ہے“ (روزنامہ الجمعۃ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۷۷ء ص ۴۷ کالم ۱) مولانا محمد میاں کی یہ تحریر اگرچہ جنوبی افریقہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے۔ لیکن مذکورہ بالا عبارت میں آپ نے دارالحرب کی جو تعریف کی اور اُس کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ ہندوستان کالحکم بھی آپ کے نزدیک وہی ہے جو جنوبی افریقہ کا ہے۔ یعنی وہ بھی دارالحرب ہے اور ہندوستان بھی دارالحرب !

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند جنوبی افریقہ کی ریاست کے بارہ میں ایک سوانامہ دارالعلوم دیوبند میں بھی موصول ہوا تھا۔ یہاں کے دارالافتاء کی طرف سے اُس کا جو جواب گیا ہے اور جس پر مولوی محمد جمیل الرحمن نامی مفتی اودھتی محمود احمد الصدیق دونوں کے دستخط ہیں اور تاریخ یکم شعبان ۱۳۸۷ھ درج ہے۔ اُس میں بھی کم و بیش وہی بات کہی گئی ہے جو مولانا محمد میاں نے کہی ہے۔ اور اُس سے بھی استنباط یہی ہوتا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے:- ”آپ کی (یعنی سائل کی) تحریر کے مطابق جمہوریہ افریقیہ میں مسلمان اقل قلیل ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ جمہوریہ میں غلبہ و تسلط غیر مسلموں کا ہے اور یہی ہمارے دارالحرب ہونے کا پتہ“

دارالحرب سے متعلق اوپر جو اقتباسات و بیانات نقل کئے گئے ہیں اُن کو بیک نظر دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک کسی ملک کے دارالحرب ہونے کا دار و مدار اس ملک میں غیر مسلموں کی اکثریت اور ان کے استیلاء و تسلط پر ہے۔ لیکن معاملہ فی نفسہ اس قدر آسان نہیں ہے کہ دوچار عبارتیں لے لے کر پاکستان بابت جو نکتہ ص ۶۸ -

فقہاء کی نقل کر کے اور اُس پر مدین جملے لکھ کر ختم کر دیے جائے۔ اس بنا پر ہم اس موضوع پر تفصیل سے بحث و گفتگو کریں گے اور اس سلسلہ میں پہلے یہ دیکھیں گے کہ (۱) فقہاء کے نزدیک دارالحرب کی کیا تعریف ہے۔ اُس کی کیا پہچان اور کیا خصوصیات ہیں؟ (۲) دار کی قسمیں کتنی ہیں؟ اور ان اقسام میں باہم کیا نسبت ہے؟ اس کے بعد اس پر غور کریں گے کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ قومیت اور وطنیت کا ایک نیا تصور پیدا ہوا ہے اور دنیا کی تمام مسلم اور غیر مسلم حکومتیں قوی اور بین الاقوامی معاملات میں اسی جدید تصور پر ملکی دساتیر حکومت میں عمل پیرا ہو رہی ہیں، اسلامی تعلیمات و احکام کی رو سے ان ممالک کا شرعی حکم کیا ہوگا۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جائے گا تو ہندوستان کے دستہ اور اس کے نظام حکومت کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا بہت آسان ہو جائے گا کہ آزاد ہندوستان مسلمانوں کے لئے شرعی طور پر کس قسم کا دار ہے اور مسلم ممالک کے لئے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

دارالحرب کی تعریف اور کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقہاء کے ذہن میں دارالحرب اس کی خصوصیات دو قسم کے تھے۔ ایک وہ ملک جو شروع سے دارالحرب بنے چلے آ رہے ہیں، اور ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اور دوسرے وہ ممالک جن کے حالات بدلتے سہلتے رہے ہیں، یعنی کبھی ان پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور کبھی غیر مسلموں کا۔ اور جیسا کہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ محمد بن محمود الاشعری نے لکھا ہے۔ دراصل یہ دوسرے قسم کے ہی ممالک ہیں جو اُس زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ سے نکل کر دوسروں کے ہاتھوں میں پہنچ گئے تھے۔ جن کے باعث فقہاء کو دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف کر کے انکی حد بندی کرنی پڑی۔

۱۔ کتاب الفصول ۱۵ دق ۲ معطوطہ دارالعلوم دیوبند۔ مصنف جن کا انتقال ۳۱۲ھ میں ہوا ہے۔ مادراء النہر کے اکابر مجتہدین و فقہائین سے تھے۔ ان کی متعدد تصانیف میں جو بڑی پایہ کی کتبھی جاتی ہیں۔ ان کا تذکرہ کشف الظنون ص ۸۳ میں ہے، اور مولانا عبدالحی کھنوی نے الفوائد البہیہ مطبوعہ مطبع معطوفانی کھنوی میں صفحہ ۸۲ و ۸۳ پر بھی ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

ہندوستان اگر دارالحرب ہے تو ظاہر ہے پہلی قسم کا تو ہرگز ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ دوسری قسم کا ہی ہوگا۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ فقہاء کے نزدیک اس دارالحرب کی کیا تعریف اور اُس کی کیا خصوصیات ہیں:

امام ابوحنیفہ اور اس معاملہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین دونوں آپس میں مختلف ہیں۔ امام ابو یوسف صاحبین کا اختلاف اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی ملک پر مشرکین کا قبضہ ہو جائے اور وہ اُس میں احکام شرک ظاہر کرنے لگیں تو وہ ملک دارالحرب بن جاتا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ اس پر اکتفا نہیں فرماتے بلکہ آپ کے نزدیک کسی ملک کے دارالحرب بن جانے کے لئے اُس میں نین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ امام صاحب اور صاحبین کی یہ رائے فقہ حنفی کی سب سے مشہور کتابوں میں مذکور ہے۔ ہم صرف مسوط للشرعی سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں:

والحاصل ان عند ابی حنیفۃ	غرض کہ ابوحنیفہ کے نزدیک غیر مسلموں کا ملک تین
انما تصیر دارہم دارالحرب	شرطوں سے دارالحرب بنتا ہے (۱) ایک یہ کہ
بثلاث شرائط احدى ان تكون	یہ ملک تاتاریوں (اُس وقت تک یہ لوگ مسلمان
متاخمة ارض التزك ليس بينها	نہیں ہوئے تھے) کے ملک سے ملتا ہو یعنی اس
وبين ارض الحرب دار للمسلمين	ملک اور ارض حرب میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو۔
الثاني ان لا يبقی فیہا مسلمون من	(۲) دوسری یہ کہ اس میں کوئی مسلمان سابق امان
بأمانه ولا ذمی من بآمانه۔ الثالث	کے ساتھ نہ ہو اور اسی طرح کوئی ذمی سابق امان
ان یظہروا احکام الشرا فیہا	امان کے ساتھ نہ ہو (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ
وعن ابی یوسف ومحمد اذا اظهر	یہ لوگ شرک کے احکام ظاہر کریں، اس کے
احکام الشرا فیہا فقد صارت	بظلمات ابو یوسف اور محمد کے نزدیک احکام شرک
دارہم دارحرب۔ لہ	کے ظاہر کرتے ہی یہ ملک دارالحرب بن جاتا ہے۔

لہ المسوط للشرعی ج ۱ ص ۱۱۲ باب المرتدین۔

اس عبارت اور اسی جیسی دوسری عبارتوں سے پر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مکہ صاحبین کے نزدیک محض احکام شرک کے اظہار سے ملک دارالحرب بن جاتا ہے اور اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ کی رائے میں کوئی ملک اُس وقت تک دارالحرب نہیں ہو سکتا جب تک اُس میں شرائطِ سہ گانہ اک ساتھ نہ پائی جائیں اس بنا پر یہ اختلاف حقیقی ہے اور چونکہ امام صاحب کے شرائطِ سہ گانہ میں خود صاحبین کی شرط داخل ہے اس لیے ان دونوں مسلکوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی جو ملک امام صاحب کے مسلک پر دارالحرب ہو گا وہ صاحبین کے مسلک پر بھی ہو گا۔ لیکن جو ملک صاحبین کے نزدیک دارالحرب ہو ضروری نہیں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بھی ایسا ہی ہو۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ صرف نزاع لفظی ہے، کیونکہ صاحبین محض اظہار احکام شرک کو جو دارالحرب ہونے کی بنیاد قرار دیتے ہیں تو یہ مطلق نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر شخص کو مذہب کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلمان بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان میں بھی تھی، اور اس حد تک تھی کہ اورنگ زیب عالمگیر ایسے متکشف اور متغلب فی الدین فرمانروا کے خزانہ شاہی سے مندروں کے لئے باقاعدہ گھی اور تیل مہیا کیا جاتا تھا اور مندروں کے پجاریوں اور پنڈتوں کے ماہانہ وظیفے اور رزقینے مقرر تھے۔ چند سال ہوئے صرف ایک شہر آجین سے عالمگیر کے ایسے چالیس فرمان دست یاب ہوئے تھے جن میں وہاں کے مہنتوں اور پنڈتوں کو جاگیریں عطا کی گئی تھیں۔ پس جب احکام شرک کا ظہور اسلامی حکومت کے ماتحت دارالاسلام میں بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے تو احکام شرک کا مطلقاً اظہار دارالحرب ہونے کی بنیاد کیونکر قرار پاسکتا ہے؟ اس بنا پر لامحالہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اظہار احکام شرک سے صاحبین کی مراد اہل شرک کا قہر و غلبہ اور ایسا استیلا و استبداد ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی شعائر پر قائم رہنے اور مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی آزادی نہ رہے اور وہ اس معاملہ میں مقہور و مغلوب ہو جائیں۔ امام صاحب نے 'اظہار احکام شرک' جو ان میں اور صاحبین میں مشترک شرط ہے۔ اس کے علاوہ باقی جو دو شرطیں اور مقرر کی ہیں وہ درحقیقت اسی استیلا و قہر و غلبہ اہل شرک کی علامتیں ہیں نہ کہ مستقل کوئی دو جدا گانہ چیزیں۔ اس تجزیہ کے بعد یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ امام صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل اُسی ایک چیز کی توضیح اور تشریح ہے۔

جسے صاحبین نے صرف ایک جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اسی فتوے زیر بحث میں فرماتے ہیں :

الحاصل این اصل کلی دفاعہ کلیہ است کہ
دارالحرب مقہور کفار است و دارالاسلام
مقہور اہل اسلام اگرچہ در یک دار
دیگر فریق ہم موجود باشد بلا غلبہ و قہر
و آن جا کہ قہر ہر دو فریق باشد آن ہم
دارالاسلام خواہد بود۔
خلاصہ یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ
دارالحرب وہ ہے جو مقہور کفار ہو اور دارالاسلام
وہ ہے جو مقہور اہل اسلام ہو۔ اگرچہ ایک دار
میں دوسرے دار کے لوگ بھی بدون غلبہ و قہر
کے آباد ہوں اور جس ملک پر دونوں فریق کا تسلط
ہو وہ بھی دارالاسلام ہی سمجھا جائے گا۔
اس عبارت سے نتیجہ یہ نکلا کہ ملک تین قسم کے ہیں:-

(الف) جس پر غیر مسلموں کا ایسا قبضہ ہو کہ مسلمانوں کو اُس میں کوئی دخل ہی نہ ہو۔

(ب) جس پر مسلمانوں کا ایسا قبضہ ہو کہ غیر مسلموں کو اُس میں کوئی دخل ہی نہ ہو۔

(ج) جس پر مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو اقتدار اور تسلط حاصل ہو۔

ان تینوں میں پہلا ملک دارالحرب ہو گا اور باقی دونوں دارالاسلام کہلائیں گے۔

استیلا و تمام کی حقیقت | پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ دارالحرب ہونے کا دار و مدار غیر مسلموں کے استیلا و تمام

اور ان کے بے شرمکت غیر غلبہ و قہر پر ہے تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ فقہاء کے نزدیک اس استیلا اور

غلبہ و قہر کا تحقق کب ہوتا ہے ؟ اور اس کا معیار کیا ہے ؟

فقہانے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے تلخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک یہ استیلا

صرف اُس صورت میں متحقق ہوتا ہے جب کہ ملک کے نظم و نسق میں مسلمانوں کو کوئی کسی قسم کا عمل دخل نہ ہو اور

ان کو مذہبی آزادی بھی حاصل نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کو نظم و نسق میں دخل ہے۔

یا دخل تو نہیں ہے لیکن مذہبی آزادی بہر حال حاصل ہے۔ ان دونوں صورتوں میں "استیلا" متحقق نہیں ہوگا۔

لے فیصلہ الاعلام فی دارالحرب و دارالاسلام ص ۴ و ۵۔

اور اس بنا پر وہ ملک شریعت کی اصطلاح میں دارالحرب نہیں کہلائے گا۔
اب ہم فقہاء کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں جن سے ہم نے استیلا کے مفہوم اور حقیقت کی تعیین و تشخیص میں یہ جو کچھ کہا ہے اُس کی تائید ہوگی۔ برائے الصنائع میں ہے :

ان الامان ان كان للمسلمين فيها
على الاطلاق والخوف للكفر على الاطلاق
فهي دار الاسلام وان كان الامان فيها
للكفر على الاطلاق والخوف للمسلمين
على الاطلاق فهي دار الكفر۔^۱
اگر ملک میں مسلمانوں کو مطلق امان اور
کفار کو مطلق خوف ہو تو وہ دارالاسلام
ہے اور اگر اس کے برعکس مکمل امان کفار کو
ہو اور مطلق خوف مسلمانوں کو تو وہ
دارالحرب ہے۔

یہ صورت ہوئی استیلائے نام کی۔ اب لیجئے وہ دو صورتیں جن سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ تو ان میں سے
پہلی یہ ہے کہ نظم و نسق میں دخل ہو اس سلسلہ میں ردالمختار میں ہے :

لو اجريت احكام المسلمين
واحكام اهل الشر لا تكون
دار حرب۔^۲
اگر مسلمانوں اور اہل شرک دونوں کے احکام
جاری ہیں (یعنی وہاں کی حکومت مشترک ہے) تو
وہ ملک دارالحرب نہیں ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مذکورہ بالا عبارت میں صرف حکومت یا اقتدار میں شرکت کا ذکر ہے
اس چیز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ شرکت کس درجہ کی ہے۔ اس بنا پر اگر کسی ملک میں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے
ہاتھ میں ہو تب بھی وہ ملک دارالحرب نہیں ہوگا !

مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ جو جنگ آزادی میں ہجرتِ علما کے سب سے بڑے سپہ سالار اور میر
کارواں تھے اس دوسرے یا شربے سے کیونکر خالی الذہن ہو سکتے تھے ؟ چنانچہ آپ نے شاہ عبدالعزیز صاحب کے
فتویٰ پر کلام کرتے ہوئے صاف لفظوں میں تحریر فرمایا کہ :-

”اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی ملک میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو

۱۔ جلد ۷ ص ۱۳۱۔ ۲۔ جلد ۳ ص ۲۷۵۔

لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی و دینی شعائر کا احترام کیا جائے تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب کے نزدیک بے شبہ دارالاسلام ہوگا اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔ ۱۷

اب رہی دوسری صورت یعنی یہ کہ مسلمان نظم و نسق مملکت میں کوئی عمل دخل تو نہ رکھتے ہوں لیکن اُن کو مذہبی آزادی حاصل ہو تو ایسے ملک کے دارالحرب نہ ہونے کا اولین ماخذ ہجرت حبشہ ہے۔ جو نبوت کے پانچویں برس وقوع پذیر ہوئی تھی۔ یہاں مسلمان ہجرات کو جو امن و امان اور آرام و اطمینان ملا صحابہ کرام نے اُس پر تشکر کا اظہار اس طرح کیا کہ انھیں دُلوں میں نجاشی کے ملک پر کسی دشمن نے حملہ کیا اور خود نجاشی اُس کے لئے میدان میں اُترتا تو ان صحابہ نے نجاشی کی فتح کے لئے دعا کی اور جنگ کے لئے خود اپنی خدمات پیش کیں۔ ۱۸ اس کے علاوہ ایک دوسرا ماخذ یہ ہے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی ہمیں کسی قبیلہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجتے تھے تو ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دیتے تھے کہ اگر تمہیں اس قبیلہ میں کوئی مسجد نظر آئے یا وہاں سے اذان کی آواز سنائی دے تو اُس پر حملہ نہ کرنا۔ ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قبیلہ کے ساتھ غزوہ کرنے کے لئے اپنے آدمی بھیجے ہیں اُس کی عظیم اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل ہوگی۔ پھر اگر اس آبادی سے اذان کی آواز آتی یا وہاں کوئی مسجد نظر آتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں اکاد کا مسلمان بھی آباد ہیں اور انھیں مذہبی آزادی حاصل ہے۔ محض اس بنا پر حضورؐ کا اس قبیلہ کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا حکم دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمان تعداد میں کتنے ہی کم ہیں، لیکن اگر ان کو مذہبی آزادی حاصل ہے تو اب یہ علاقہ "دارالحرب" نہیں رہا، ان دونوں ماخذوں کا اطلاق اُن علاقوں پر ہوتا ہے جو اب تک دارالاسلام نہیں بنے ہیں، لیکن جو علاقہ ایک مرتبہ دارالاسلام بن چکا ہے اُس کے دارالحرب نہ بننے کے ثبوت میں فقہانے ان دو ماخذوں کے علاوہ دوسری دلیلیں اور پیش

۱۷ لفظی حیات ج ۲ ص ۵۸۔ ۱۸ سیرت النبیؐ مولانا خلیل ج ۱ ص ۲۴۰۔ ۱۹ مستطاب امام احمد بن حنبل

تہذیب سلطانی ج ۱ ص ۵۹۔ یہ روایت بخاری، ابوداؤد اور ترمذی میں بھی سند کے اختلاف کے ساتھ ہے۔

کی ہیں، ایک یہ کہ جس حکم کا وجود کسی علت پر مبنی ہوتا ہے تو جب تک وہ علت بالکلیہ مرتفع نہیں ہو جائے گی۔ حکم مرتفع نہیں ہوگا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ۔ اس بنا پر جس ملک میں بھی اسلامی زندگی کے شعور بے بہت آثار و علامات موجود ہیں وہ دارالحرب نہیں ہو سکتا؛

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس کو ذہن میں رکھ کر اب آپ خود فقہا کی زبان سے اُن کے بیانات سنیے۔
 سرخسؒ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک ملک جو دارالاسلام رہ چکا ہے وہ دارالحرب اُس وقت بنتا ہے جبکہ وہاں مشرکین کو مکمل قہر اور غلبہ ہو۔ اور مکمل قہر اور غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ایک مسلمان یا ذمی بھی مامون نہ ہو۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

ان بقی فیہا مسلمہ او ذمی آمن
 فذلک دلیل عدم تمام
 القہر منہ۔^۱
 اگر اس ملک میں ایک مسلمان یا ذمی بھی مامون
 (یا مان سابق) ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ مشرک
 کو اس ملک میں مکمل قہر و غلبہ حاصل نہیں ہے۔

صاحب درمختار مفتی الابحرؒ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولا تصیر دارالاسلام دارالحرب
 الا بامور ثلاثہ: باجراء
 احکام الشرک۔ وباتصالہا
 بدارالحرب وبان لا یبقی فیہا مسلم
 ووذی بالامان الاول۔^۲
 محمد بن محمود الاشرسؒ مبنی لکھتے ہیں:

وابوحنیفۃ یقول: ان هذه البلدة
 صارت دارالاسلام باجراء احکام
 الاسلام فیہا فما بقی شیء من احکام الاسلام
 اور ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: یہ ملک احکام اسلام کے
 جاری ہونے سے دارالاسلام ہو گیا تھا تو اب جب تک
 اس میں اسلام کا کوئی ایک حکم بھی موجود ہے، وہ

۱۔ المبسوط للسرخس باب المرتدین ج ۱۰ ص ۱۱۲۔ ۲۔ الدر المنثور فی شرح الملتنقی مخطوطہ دارالعلوم دیوبند

فیہا یبقی دارالاسلام علی ما عرف ان الحکم اذا ثبت بعد فما بقى شیء من احکام العلة یبقی الحکم ببقائه ۱۔
 دارالاسلام ہی رہے گا۔ کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ جب کوئی حکم ثابت ہو جاتا ہے تو جب تک علت کا کچھ حصہ بھی باقی رہتا ہے اُس کی بقا سے حکم بھی باقی رہتا ہے۔
 اس کے بعد شرح سیر الامل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابو بکر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے۔
 ملاوہ ازین شیخ الاسلام نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ:

ان دارالاسلام لا یصیر دارالحرب اذا بقى شیء من احکام الاسلام وان زالت غلبة اهل الاسلام پھر صدر الاسلام ابو الیسر کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:
 ان دارالاسلام لا یصیر دارالحرب اذا بقى شیء من احکام الاسلام وان زالت غلبة اهل الاسلام پھر صدر الاسلام ابو الیسر کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:
 ان دارالاسلام لا یصیر دارالحرب اذا بقى شیء من احکام الاسلام وان زالت غلبة اهل الاسلام پھر صدر الاسلام ابو الیسر کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:
 ان دارالاسلام لا یصیر دارالحرب اذا بقى شیء من احکام الاسلام وان زالت غلبة اهل الاسلام پھر صدر الاسلام ابو الیسر کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:
 ان دارالاسلام لا یصیر دارالحرب اذا بقى شیء من احکام الاسلام وان زالت غلبة اهل الاسلام پھر صدر الاسلام ابو الیسر کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:
 ان دارالاسلام لا یصیر دارالحرب اذا بقى شیء من احکام الاسلام وان زالت غلبة اهل الاسلام پھر صدر الاسلام ابو الیسر کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:

وذكر شیخ الاسلام الاسیجانی فی مبسوطہ ان دارالاسلام محکومة بكونها دارالاسلام فبقی هذا الحکم بقاء حکم واحد فیہا وذكر الامام اللاحسی فی واقعاتہ ان صارت دارالاسلام محکمة بالاعلام الثلاث اور شیخ الاسلام الاسیجانی نے اپنی مبسوط میں بیان کیا ہے کہ جب دارالاسلام پر دارالاسلام ہونے کا حکم لگ گیا تو اب اگر ایک اسلامی حکم بھی باقی رہے گا تو یہ دارالاسلام ہونے کا حکم بھی باقی رہے گا۔ اور امام لاسمی نے اپنے واقعات میں بیان کیا ہے کہ ایک ملک جب تینوں علامتوں کے باعث

لکھنؤ، بھوپال، ج. امدق ۲، مخطوطہ دارالعلوم دیوبند۔

فلا تصیر دار الحرب مابقی دارالاسلام ہو گیا تو اب جب تک ان علاقوں
 شی منہا۔ و ذکر الشہید الامم کا ایک شتمہ بھی باقی ہے یہ ملک دارالحرب نہیں
 الاحل ناصراً للدين فی المنشور ہو گا۔ اور شہید امام اجل ناصر الدین نے فخر
 ان دارالاسلام صارت دارالاسلام میں لکھا ہے کہ ایک ملک جو احکام اسلام کے
 باجرہ احکام الاسلام فی بقیت اجرا سے دارالاسلام بن گیا ہے تو جب تک
 علقۃ من علائق الاسلام توضح کسی قسم کا بھی لگاؤ اس کو اسلام سے رہے گا
 جانب الاسلام و ذکر فی الملتقط جانب اسلام کہ تہ تیغ رہے گی۔ اور انہیں
 ان البلاد التي فی ایدی الکفار ملقط میں بیان کیا ہے کہ جو علاقے کفار کے
 لا شک انھا بلاد الاسلام قبضہ میں ہیں وہ بے شبہ اسلامی علاقے ہیں
 بلاد الحرب لانھا غیر مناخمة نہ کہ حربی۔ کیوں کہ یہ علاقے بلاد حرب سے
 لبلاد الحرب ولا تھم لہم لہم متعل نہیں ہیں اور پھر ان علاقوں کے حکمرانوں
 فیہا احکام الکفر۔ نے ان میں احکام کفر کو غالب نہیں کیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا فقہائے کرام برابر یہ کہتے جا رہے ہیں کہ اگر اسلام کا
 ایک حکم بھی باقی ہو گا تو ملک دارالحرب نہیں ہو گا، اب یہ بھی سن لیجئے کہ یہ ایک حکم جس کا بقا عدم اظہار کفر
 کی دلیل ہے فقہائے نزدیک اُس کا معیار اور اُس کی حد کیا ہے؟ یہی محمد بن محمود الحنفی الاشرقی فرماتے ہیں:

يجوز فيه إقامة الجمعة والاعياد اس ملک میں جمعہ اور عیدین کی نماز کا قائم کرنا
 وترويج الايامی۔ اور یہ عورتوں کا نکاح کرنا جائز ہو۔

اسی سلسلہ میں فتاویٰ بزازیہ میں ہے :

واما البلاد التي عليهما ولاۃ کفار واما البلاد التي ايضا اقامة الجمع والاعياد
 کہ وہاں جمعہ اور عیدین کی نماز کا قائم کرنا

۱۔ کتاب الفصول ۱۵ ورن ۲۔ ۳۱۰ ایضاً۔

والقاضي قاضي بنزاضى المسلمين
وقد تقصيران مبقاء شئ من العلة
يبقى الحكم وقد حكمنا بلا خلاف
فان هذا الديار قبل استيلاء
الكفار كان من ديار الاسلام وبعد
استيلاء هم اعلان الاذان الجمع
والجماعات والحكم بمقتضى الشريعة
والفتوى والتدريس شائع بلا تكدير
من ملوكهم فالحكم بانها من
دار الحرب لاجهة لآ نظر الى
الدراسة والدراسة - واعلان مع
الخمس واخذ الغنائم والمكوس
والحكم من المنقضى برسم التنازل
بني قريظة باليهودية وطلب
الحكم من الطاغوت في مقابلة
محمد صلى الله عليه وسلم
في عهده بالمدينة ومع ذلك
كانت بلدة اسلام بلا سبب له

گوارا ہے اور خود مسلمانوں کی آپس کی بغاضبی
سے وہاں قاضی بھی ہے اور یہ ثابت ہے کہ
علت کے ایک جز کے بقا سے حکم باقی رہتا ہے
اور ہم نے بلا خلاف کے یہ حکم کیا تھا کہ کفار کے استیلاء
سے پہلے یہ علاقہ دارالاسلام تھے اور ان کے
استیلاء کے بعد اذان دینا - جمعہ اور جماعت اور
شریعت کے مطابق حکم دینا - فتویٰ دینا اور
درس دینا عام طور پر رواج ہے اور کفار کے یا دشمنوں
کی طرف سے اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔
اس بنا پر ان علاقوں کو دارالحرب کہنے کی کوئی
وجہ نہ عقلی ہے اور نہ نقلی اور شراب کا حکم کھلا
بیچنا اور خراج لینا اور کس وصول کرنا اور تالیف
کی رسم کا توڑنا ان سب کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ
بنو قریظہ کا اعلان یہودیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے مقابلہ میں طاغوت سے حکم کا طلب کرنا
حضور کے عہدہ میں - اور بلاشبہ ان سب
چیزوں کے باوجود مدینہ بلاشبہ اسلام کا
شہر تھا۔

فقہائے کرام کی ان تمام تصریحات کو سامنے رکھنے سے جو نتیجہ بلا کسی دغدغہ اور خدشہ کے نکلتا ہے
وہ یہ ہے کہ صرف وہ ملک دارالحرب ہوگا جہاں کفر کا غلبہ اور استیلاء بائیں معنی ہو کہ نہ تو مسلمان اُس کی

ملک بحوالہ اندو ترجمہ مجموعہ الفتاویٰ مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی کھنوی جلد اول ص ۱۲۴ -

حکومت اور نظم و نسق میں شریک ہوں اور نہ اُن کو مذہبی آزادی حاصل ہو، یعنی یہ دونوں چیزیں استیلاء و غلبہ کے اجزائے ترکیبی ہیں اور اس بنا پر یہ دونوں نہ ہوں یا ان میں سے ایک نہ ہو بہر حال فوت العجز فوت النکل کے قاعدہ کے مطابق استیلاء مستحق نہیں ہوگا اور اس لئے حسب ذیل دونوں قسم کے ملک دارالحرب نہیں ہوں گے:

(الف) وہ ملک جس میں مسلمان شریک حکومت ہیں۔

(ب) وہ ملک جس میں مسلمان شریک حکومت تو ہیں نہیں البتہ انھیں مذہبی آزادی حاصل ہے۔
احتمال عقلی کے طور پر ایک تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمان شریک حکومت تو ہیں مگر ان کو مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ لیکن ہم نے اس صورت کا ذکر قصداً اس لئے نہیں کیا ہے کہ اگر واقعی کسی ملک میں ایسے مسلمان موجود ہیں جو مذہبی آزادی کے نہ ہونے کے باوجود حکومت میں شریک ہیں تو وہ سچ سچ اس شرکاء مصداق ہیں :-

اپنے ہاتھوں سے جو ڈھائی اُن خدا کے گھر کو : ننگ اسلام ہے ایسوں کا مسلمان ہونا
اور ظاہر ہے اب یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام !

ہندوستان کی دستوری پوزیشن | اب آئیے ہندوستان کی دستوری پوزیشن کا جائزہ لیں۔

اس پر غور کرنے سے پہلے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ آزادی کے اس پس منظر کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ ملک کی آزادی کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں ایک ساتھ ایک عرصہ تک سرگرم عمل رہے۔ دونوں نے یکساں قربانیاں دیں، جیل گئے۔ پٹے اور مارے گئے، جمعیۃ علماء جو علمائے ہند کی نمائندہ جماعت تھی اُس نے آخر دم تک کانگریس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کانگریس کا نصب العین آزادی کے بعد جمہوری نظام قائم کرنا شروع سے رہا ہے اور علماء اس پر مہر تصدیق ثبت کرتے رہے ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جمہوریت کے قیام کے بعد علمائے کرام کے نزدیک ہندوستان کی شرعی حیثیت کیا ہوتی؟ وہ دارالحرب رہتا یا دارالاسلام؟ اگر دارالحرب ہوتا تو کیا علماء کے لئے جائز تھا کہ وہ ایک ایسے ملک کو جو (انگریزوں کے زمانہ میں) دارالحرب نہیں تھا اسے عظیم الشان قربانیاں دے کر دارالحرب بنائیں؟

اور اگر وہ دارالاسلام بننا تو پھر تقسیم نے ملک میں اکثریت و اقلیت کے اعتبار سے آخر ایسی کوئی بنیادی تبدیلی پیدا کی ہے جس کے باعث ملک اگر تقسیم نہ ہوتا تو دارالاسلام ہوتا اور اب تقسیم ہو گیا ہے تو یہ دارالحرب بن گیا۔ آخر دستوری طور پر وہ کوئی چیز ہے جو تقسیم نہ ہونے کی صورت میں ہوتی اور اب نہیں ہے اور اس بنا پر پہلی صدمت میں شرعی حکم کچھ اور ہوتا اور اب کچھ اور ہوگا! صوبائی طور پر آبادی کم و بیش ہوتی لیکن مرکز میں پوزیشن تو بہر حال یہی ہوتی جس کا ذکر مسلم لیگ بار بار کرتی تھی۔

بہر حال کانگریس اور مسلم لیگ میں فرقہ دارانہ مسائل پر کچھ توجہ نہ ہو سکا اور انجام کار دو قومی نظریہ پیدا ہوا اور اُس کی بنیاد پر ہی ملک کی تقسیم عمل میں آئی اور اسی کی بنیاد پر پاکستان کو اسلامی حکومت قرار دیا گیا۔ تقسیم سے پہلے اور تقسیم سے بعد ہندو مسلمانوں میں جو نہایت شدید قسم کی منافرت، دشمنی اور عداوت پائی جاتی تھی وہ اور پاکستان میں اسلامی حکومت کا قیام یہ دونوں چیزیں ایسی تھیں جن کے پیش نظر اغلب یہی تھا کہ ہندوستان میں ہندو حکومت قائم ہوتی! لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ یہاں پارلیمنٹری نظام چہرہ بہ چہرہ اختیار کیا گیا۔

جمہوریت | اس نظام کے ماتحت ہر شخص جو ہندوستانی ہے۔ مذہب، ذات، پات، رنگ و نسل کے اختلاف کے باوجود یکساں شہری حقوق رکھتا ہے، پیشوں میں، ملازمتوں میں، عہدوں میں غرض کسی ایسی چیز میں جس کا تعلق اسٹیٹ سے ہے مذکورہ بالا چیزوں میں سے کسی کی بنیاد پر کوئی کسی قسم کا امتیازی برتاؤ نہیں کیا جائے گا، ہر شخص جو بالغ ہے اُس کو رائے دینے کا حق ہوگا۔ شہری حقوق اس ملک کے ہر باشندہ کو یکساں طور پر حاصل ہوں گے۔ عام حق رائے دہندگی (ADULT FRANCHISE)

کے ذریعہ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کا انتخاب ہوگا۔ اور یہی پارلیمنٹ اور اسمبلیاں گورنمنٹ بنائیں گی، اور اس طرح جو گورنمنٹ بنے گی اُس کی تشکیل میں تمام اہالیان ملک کا دخل ہوگا۔ گویا اصل طاقت بلا اختلاف مذہب و ملت عوام کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہیں حکومت کے منصب پر بٹھا سکتے ہیں اور جب چاہیں اسے الگ بھی کر سکتے ہیں۔

ذہبی آزادی | اب لیجئے مذہبی آزادی ! اس سلسلہ میں دستور اعلان کرتا ہے کہ

(۱) ہندوستان کے سب لوگوں کو مساویانہ طور پر عقیدہ (CONSCIENCE) کی آزادی کا حق ہوگا اور ان کو اس بات کا بھی حق ہوگا کہ وہ آزادی کے ساتھ جس مذہب کو چاہیں مانیں، اُس پر عمل کریں اور اُس کی تبلیغ کریں۔

(۲) ہر مذہبی فرقہ یا طبقہ کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مذہبی اور خیراتی کاموں کی خاطر (الف) ادارے قائم کریں اور چلائیں۔ (ب) مذہبی معاملات میں اُس کا وہ خود انتظام کریں (ج) اُس ادارہ کے لئے منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد حاصل کریں۔ (د) اور اُس جائیداد کا انتظام قانون کے مطابق وہ خود کریں۔ یہ جب یہ دفاتر دستور ساز اسمبلی میں پیش ہوئیں تو اقلیتی فرقوں کے نمائندوں کی طرف سے ان کا بڑے جوش و خروش کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ چنانچہ ایک صاحب نے فرمایا ”جناب ! یہ ہے اکثریت کا وہ عاوانہ اور مساویانہ برتاؤ جو اقلیتوں کو ان کے ساتھ دو قالب دیکر جان بنارے گا۔“ ایک اور صاحب نے کہا: ”میں اکثریتی فرقہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اقلیتی فرقوں کے ساتھ بڑے عدل اور انصاف سے کام لیا ہے۔“

دستور نے صرف یہی اعلان نہیں کیا ہے کہ ہر شخص کو مذہبی عقائد و اعمال اور اُس کی تبلیغ و اشاعت کی آزادی ہوگی۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ ”حکومت مذہب کے معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہوگی اور اس بنا پر حکومت کے فنڈ سے جو تعلیمی ادارے چلیں گے اُن میں کسی مذہب کی تعلیم کا بندوبست نہیں ہوگا! سہ اقلیتوں کو طبعی طور پر یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ اُن کے بچے حکومت کے اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا کر کہیں ارتداد (INDOCTRINATION) کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس دفعہ سے اس اندیشہ کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(1) PART III - ARTS 25, 26. (2) CONSTITUENT ASSEMBLY

DELEGATES VOLUME VII PAGES 260 - 267 (3) ARTICLE 2, 8

سپریم کورٹ | اب سوال یہ ہے کہ دستور نے باشندگان ملک کو جو یہ حقوق دیئے ہیں ان کی حفاظت اور نگرانی کون کرے گا۔ اور پھر اگر کسی دفعہ کی یا اُس کے کسی لفظ کی مراد اور اُس کی تشریح میں اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ جواب یہ ہے کہ دستور نے یہ سب اختیارات سپریم کورٹ کو دیئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت اور پارلیمنٹ یہ سب دستور کے وفادار اور اُس کے پابند ہیں اور دستور کی تشریح و توضیح اور ظلم و زیادتی سے اُس کی حفاظت، یہ سب سپریم کورٹ کا حق ہے اور اس بنا پر گورنمنٹ بھی مجبور ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔ چنانچہ ابھی پچھلے دنوں انڈین سپریم کورٹ کے نئے چیف جسٹس آنریبل کوکاسب راؤ (KOKA SUBBA RAO) نے ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ ”سپریم کورٹ کا فرض یہ ہے کہ دستور نے جو بنیادی حقوق دیئے ہیں کورٹ اُن کے اور سماجی انصاف کے درمیان تطبیق و توازن رکھے اور ہستی متغیہ (حکومت) کو راہ سے بے راہ نہ ہونے دے“ اسی بنا پر سپریم کورٹ کے لئے غیر جانبدار اور بے خوف ہونا ضروری ہے۔

دستور کا عملی پہلو | اب غور کیجئے۔ دستور کی دفعہ جو شہری حقوق سے متعلق ہے وہ مسلمانوں کو حکومت کے کاروبار میں اکثریت کے ساتھ شریک کرتی ہے اور مذہبی آزادی سے متعلق جو دفعہ ہے وہ ان کو مذہبی عقائد و اعمال اور مذہبی شعائر و رسوم کو بجالانے کی۔ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی۔ مذہبی تعلیم اور دینی امور کو سرانجام دینے کی غرض سے خود اپنے ادارے قائم کرنے اور ان کو حکومت کی مداخلت کے بغیر چلانے کی پوری آزادی دیتی ہے۔ شہری حقوق میں معاشی آزادی بھی شامل ہے اور اس لئے مسلمانوں کو اس بات کی بھی پوری آزادی حاصل ہے کہ حصولِ معاش کے لئے وہ جو پیشہ چاہیں اختیار کریں، ملازمت، صنعت و حرفت، زراعت و فلاحیت۔ ان میں سے ہر ایک کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اور کسی اعتبار سے کہیں کسی جگہ اکثریت اور اقلیت میں کوئی کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہیں رکھا گیا ہے، چنانچہ جہاں تک حکومت میں مسلمانوں کی شرکت کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ صدر جمہوریہ اکثریت کے فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں تو نائب صدر ایک مسلمان ہے۔ اسی طرح مرکز اور ریاستوں کی وزارتوں میں۔ سفارتوں میں۔ گورنروں میں

حکومت کے دفاتر میں چھوٹے بڑے۔ پارلیمنٹ میں، اسمبلیوں میں، عدالتوں میں، کارخانوں اور کینٹیوں میں یونیورسٹیوں میں، ہر جگہ مسلمان موجود ہیں، حکومت کی تشکیل میں ان کے ووٹ کا بھی دخل ہوتا ہے، بلکہ بعض علاقوں میں تو ان کا ووٹ پاسنگ کی حیثیت رکھتا یعنی فیصلہ کن ہوتا ہے۔ اب یہی مذہبی آزادی! تو اس آزادی کی کوئی قسم ہے جو انھیں حاصل نہیں ہے۔ ملک میں لاکھوں مسجدیں ہیں جہاں سے پانچوں وقت اذان کی آواز بلند ہو کر فضا میں گونجتی ہے۔ بعض بڑے بڑے شہروں کی خاص خاص مسجدوں میں لائٹ اسپیئر لگا ہوا ہے اور اُس پر اذان ہوتی ہے، عید بقرعید اور بعض اہم مسلم ہتھواروں کی تعطیل حکومت کے کیلنڈر میں شامل ہے۔ ہر سال حج کے لئے کم و بیش سترہ اٹھارہ ہزار مسلمان حج کو جاتے ہیں اور اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سہولتیں پیدا کرنے کے سلسلہ میں گورنمنٹ وہ سارے کام کرتی ہے جو اسلامی حکومتیں کرتی ہیں۔ حکومت کی مقرر کردہ دوسری حج کیٹیٹیاں ہیں جدہ میں ہندوستانی سفارت خانہ پورے عملہ کے ساتھ حاجیوں کی دیکھ بھال اور ان کی خدمت کرتا ہے۔ مکہ اور مدینہ میں اور حج کے دنوں میں مئی اور عزرات میں ڈاکٹروں، لیڈی ڈاکٹروں اور دواؤں کا انتظام ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف صوبوں سے حاجی کی عام خدمت کے لئے اسکاؤٹس الگ جاتے ہیں، اس سال زرمبادلہ کے سخت گھٹنے کے باوجود حکومت نے دو کروڑ روپیہ کا اسپیجیج حاجیوں کے لئے منظور کیا، پھر مسلمانوں کی مذہبی اور دینی تعلیم بالکل آزاد ہو ملک میں چھوٹے بڑے سیکرڈوں مدارس عربیہ اور ہزاروں مکاتب دینیہ ہیں جو بغیر کسی مداخلت کے اپنا کام کر رہے ہیں، دارالعلوم دیوبند جس کا بجٹ تقسیم سے پہلے انہی نوے ہزار ہوتا تھا اس سال اُس کا بجٹ دس لاکھ روپیہ کا ہے۔ علاوہ ازیں حیدرآباد کا دائرۃ المعارف جو اسلامی علوم و فنون کی اشاعت کا سب سے اہم ادارہ ہے وہ اور اس کے علاوہ۔ کلکتہ۔ بٹنہ اور رامپور وغیرہ کے بعض مدارس عربیہ تمام حکومت کے خرچ اور اُس کے انتظام سے چل رہے ہیں۔ سنسکرت کی طرح عربی اور فارسی کے کسی ایک اسکالر کو بھی ہر سال صدر جمہوریہ کی طرف سے اعزاز ملتا ہے۔ تبلیغی جماعت، اسلامی جماعت اور دینی تعلیمی کونسل سب اپنے اپنے طریقہ پر کام کر رہی ہیں اور کوئی روک ٹوک نہیں۔

تقریر و تحریر کی آزادی ہمارا دستور اظہارِ مافی الضمیر کی گارنٹی دیتا ہے۔ تو مسلمان بھی اس سے فائدہ

اٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ یہاں کا مسلم پرپس جس آزادی اور میلیاکی کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات و مسائل اور ان کی شکایات و شکایات کے بارہ میں لکھتا اور حکومت پر تنقید کرتا ہے۔ بلاشبہ عرب اور افریقہ کے بہت سے مسلم ممالک کے اخبارات یہ جرأت و جرات نہیں دکھا سکتے۔

معاشی آزادی | دستور معاشی آزادی کی جو ضمانت کرتا ہے مسلمان اس سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ملک میں گھوم پھر کر دیکھئے اللہ کے فضل و کرم سے صنعت و حرفت تجارت، زراعت و فلاحیت ان میں سے کوئی شعبہ نہیں ہے جس میں مسلمانوں کا حق نہ ہو اور وہ ترقی نہ کر رہے ہوں۔ تقسیم کے بعد تباہی کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ لیکن اب وہ ایک نئی توانائی اور خود اعتمادی کے ساتھ ابھر رہے ہیں۔ ان کے اپنے بل بھی ہیں اور کارخانے بھی۔ بعض خاص خاص صنعتوں کے دائرہ میں اب تک ان کے نام کا سکہ چلتا ہے۔ ان میں کروڑ پتی بھی ہیں، اور لکڑی پتی بھی، پھوٹے دکا ندر بھی ہیں اور بڑے بھی! مال درآمد بھی کرتے ہیں اور برآمد بھی! پھر کثرت سے فارم اور باغات والے بھی ہیں جو اپنے ہاں کی خصوصی پیداوار پر گورنمنٹ سے کئی کئی انعام لے چکے ہیں۔

شکایات | اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کو گورنمنٹ سے شکایات بھی ہیں اور بعض بہت شدید قسم کی! لیکن منطق کا مسئلہ قاعدہ ہے کہ سالہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔ اس لئے ہم ایک سالہ کلیہ بناتے ہیں اور وہ یہ کہ ”مسلمانوں کے ساتھ ہرگز کوئی انصاف نہیں ہو رہا ہے“ لیکن کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ کلیہ صحیح ہے پس جب یہ صحیح نہیں تو لازماً اس کی نقیض یعنی موجبہ جزئیہ صحیح ہوگی اور اب نقیض یہ ہوگا کہ ”مسلمانوں سے کچھ انصاف ہو رہا ہے اور کچھ نہیں ہو رہا ہے“ اب دیکھنا یہ ہے کہ مکمل انصاف اور دستور پر مکمل عمل کس کے حق میں ہو رہا ہے؟ آج آپ کو معلوم ہے۔ ملک کا کیا حال ہے؟ کونسی بیماری ہے جو ہمارے سماج میں نہیں ہے۔ کونسا آزار ہے جس میں ہمارا معاشرہ مبتلا نہیں۔ روگ کی وہ کونسی قسم ہے جو قوم کے رگ و پے میں ساری نہیں! آدمی پاگل ہوتا ہے تو ماں باپ اور بہن بھائی پر بھی ہاتھ اٹھا بیٹھتا ہے۔ پس مسلمانوں کو جو شکایات ہیں ان کو ملک کے عام حالات کے پس منظر کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔ مسلمان ایک کل کا جز ہیں۔ جب کل ہی صحت مند نہیں تو جز صحت مند کیسے ہو سکتا ہے۔ ملک کے مختلف طبقات میں اگر ذات پات کے زبان کے اور علاقائی حد بندی کے تعصبات پائے جاتے ہیں اور ان کی بنیاد پر آئے دن شکست و ریخت اور حرب و ضرب

کے ہنگامے برپا رہتے ہیں تو اگر مذہب کے نام پر بھی منسودہ پر داذوں کے ایک گروہ نے نمنائی کرنے کی ٹھان لی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ بہر حال ملک کی عام ناگفتہ بہ اور تباہ کن صورت حال کے اصل اسباب حکومت کی نااہلیت اور مرکز درمی اور عوام میں جمہوریت کی قدردان کا عدم احساس ہی دو ہیں۔ کم و بیش کا فرق ہے۔ لیکن مسلمانوں کو جو شکایات ہیں اُس کے اسباب بھی یہی ہیں، اس بنا پر یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں کو جو شکایات ہیں وہ محض اس لئے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں!! معاشرہ میں جب تک فساد ہے مسلمانوں کو بحیثیت ایک فرقہ کے کابل اطمینان کبھی نہیں ہو سکتا۔ معاشرہ جب سدھر جائے گا تو مسلمانوں کو بھی اطمینان ہو جائے گا اور مسلمانوں کو یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے آپ کو سدھار لیں تو معاشرہ کے سدھارنے میں بھی وہ ایک بہت اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں دستور نے جو حقوق مسلمانوں کو دیے ہیں ان پر اگر کسی کوئی زبرد پڑتی ہے تو اُس کے خلاف احتجاج کرنا یہ مسلمانوں کا آئینی حق ہے وہ انھیں کرنا چاہیے اور وہ کرتے بھی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ نہ بھولیے کہ احتجاج کے حق کا آئینی ہونا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اس ملک کے شہری حقوق میں کسی سے کم نہیں، بلکہ برابر ہیں۔ مغلوب نہیں بلکہ شریک ہیں۔ محکوم نہیں بلکہ ساتھی ہیں۔

انڈیئے اور عدنے | شکایات کے علاوہ بعض انڈیئے اور عدنے بھی ہیں۔ مثلاً بعض مسلمان کہتے ہیں کہ بے شبہ اس وقت تو مسلمانوں کو مذہبی آزادی مکمل طور پر حاصل ہے لیکن دستوریں ایک دفعہ جس میں کہا گیا ہے کہ اسٹیٹ تمام ملک میں یکساں ہی سول قانون رائج کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کے پرسنل لا کا کیا ہوگا؟ اور پھر مذہبی آزادی کہاں رہے گی؟ جواب یہ ہے کہ اہل تو پچھلے دنوں پارلیمنٹ میں ایک سوال کے جواب میں وزیر قانون اعلان کر چکے ہیں کہ سول کوڈ کسی فرقہ پرزور دتی تھی پناہ نہیں جائے گا۔ علاوہ ازیں آپ کو یہ کیوں کہ معلوم ہوا کہ ملک کے لئے جو عام سول کوڈ بنے گا وہ اسلامی قوانین کے خلاف ہی ہوگا۔ لیکن یہ وہ اسلام کے مطابق ہو جیسے ہندو کوڈ کی متعدد دفعات اسلامی تعلیمات کا چرہ ہیں۔ اور پھر اگر اُس میں کوئی بات مسلم پرسنل لا کے خلاف ہوئی بھی تو آپ کو پورا حق ہے اُس کے خلاف آواز اٹھانے اور اگر ضرورت ہو تو سپریم کورٹ کو کھٹکھٹانے کا! یاد رکھئے یہ حق مسلم مالک میں بھی نہیں ہے۔

بہرحال فقہانے دارالحرب کی تعریف کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اور پھر ہندوستان میں دستوری طور پر مسلمانوں کو جو پوزیشن حاصل ہے ان سب کو پیش نظر رکھا جائے تو حسب ذیل تنقیحات پیدا ہوتی ہیں:-

(۱) ہندوستان چونکہ ایک سکولر جمہوری ملک ہے اس لئے یہاں کسی مذہب یا کسی مذہبی فرقہ کی حکومت نہیں ہے اس بنا پر فقہاء کی اصطلاح میں ”غلیہ کفر“ یہاں صادق نہیں آتا۔

(۲) شہری حقوق میں یکساں ہونے کے باعث مسلمان حکومت میں شریک ہیں۔

(۳) مذہبی آزادی کی دفعہ کے ماتحت مسلمانوں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہے۔

(۴) مسلمانوں کو معاشی، اور تقریر و تحریر کی آزادی بھی حاصل ہے۔

(۵) انڈین یونین کے ڈپلومیٹک تعلقات تمام اسلامی ملکوں سے ہیں۔ اس کے علاوہ دوستانہ تعلقات و مراسم بھی ہیں کسی سے کم کسی سے زیادہ !

(۶) انڈین یونین کی شمال مغربی سرحد ملہا ملک سے متصل ہے۔ لاہور سے لے کر مراکو تک یہ سلسلہ چلا گیا ہے۔

ان تنقیحات کی روشنی میں یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ دارالحرب ہونے کے جو شرائط ہیں اور جو ایک لفظ ”استیلاء“ میں جمع ہو گئے ہیں (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں) اُن میں سے چونکہ کوئی ایک شرط بھی نہیں پائی جاتی اس لئے ہندوستان ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں ہے اور نہ اس جیسا کوئی اور جمہوری ملک جس میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو دارالحرب ہو سکتا ہے۔

یہ مسئلہ اس درجہ صاف اور واضح ہے کہ اور تو اور پاکستان کے دونا مور محقق اور فاضل اسلامیات نے بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ جنوبی افریقہ کے متعلق استغنا اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی طرف سے اُس کا جواب (جس کا ان صفحات میں ذکر آچکا ہے) پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر صغیر احمد معصومی ہندوستان اور اسی جیسی دوسری جمہوریتوں کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں:-

”دارالحرب کی جو تعریف بیان کی گئی ہے۔ نیز قرونِ اولیٰ میں دارالحرب و دارالاسلام کے جو تعلقات تھے اور جو جنگی نتائج مرتب ہوتے تھے۔ ان سب پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آج کل کی سلطنتوں اور ریاستوں کو جہاں نظمی نہیں۔ بلکہ ایک خاص نظام

قائم ہے اور مسلمان با امن و امان رہتے ہیں۔ بلکہ اپنی تعداد کے مطابق سیاسی امور میں بھی حصہ لیتے ہیں اور الحزب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

دوسرے صاحب پر وفیسر محمد شریف مرحوم ہیں جنہوں نے لکھا ہے:-

”ہندوستان کا دستور اگرچہ سکولر ہے لیکن اس میں عقیدہ عمل اور مذہب کی جو آزادی دی گئی ہے وہ بعینہ وہ ہے جو اسلام دیتا ہے۔ اس بنا پر لفظوں کا فرق ہے — ورنہ پاکستان کی اسلامی ریاست اور ہندوستان، اسٹریلیا اور امریکہ کی سکولر اسٹیٹ یہ سب ایک ہی ہیں۔“

(باقی اٹنڈ)

۱۔ ماہنامہ الرسیم حیدرآباد (مغربی پاکستان) بابت جون ۱۹۶۳ء ص ۴۱ و ۴۲۔
(2) ISLAMIC AND EDUCATIONAL STUDIES. P. 6.

(INSTITUTE OF ISLAMIC CULTURE, LAHORE)

حیاتِ امام اعظم ابو حنیفہؒ

اُردو زبان میں ایک اہم اور جدید کتاب

مولانا عزیز الرحمن صاحب (مفتی مجتہد) نے اس کتاب کو جدید طرز پر بڑی عرق ریزی اور محنت سے ترتیب دیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق و تالیف کے سلسلہ میں متعدد سفر بھی کئے اور امام صاحبؒ پر اُردو، فارسی، انگریزی میں اب تک جو کچھ دستیاب ہو سکتا تھا تحقیق کی روشنی میں اس سب کو خوش اسلوبی کے ساتھ اس کتاب میں سمویا ہے۔ اُردو زبان میں امام صاحبؒ پر اس سے بہتر کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ ہندوستان کے علماء و اکابر کی رائے میں یہ کتاب علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النعمان اور ابو زہرہ کی حیاتِ امام ابو حنیفہؒ کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

● کتابت و طباعت بہتر ● کاغذ عمدہ سفید ● سائز ۱۸ × ۲۲ ● صفحات ۳۲۰ ص

قیمت جلد ۵ روپے ۵۰ پیسے (5/50)

● مکتبہ برہان، اُردو بازار، جامع مسجد دہلی